مکاتب دینیہ کے

اساتذہ سے خطاب

افادات

حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم
شیخ الحدیث وصدر مفتی جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل

ناشر
مکتبہ محمودیہ ڈابھیل

تفصیلات

کتاب کا نام:............................ مکاتب دینیہ کے اساتذہ سے خطاب

افادات:..................... حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم

صفحات:.. ۴۸

ناشر:.......................... مکتبۂ محمودیہ، محمودنگر، ڈابھیل، گجرات

ملنے کے پتے

- ادارۃ الصدیق ڈابھیل، نزد جامعہ ڈابھیل، Mo:99133,19190
- مکتبۂ انور (مفتی عبدالقیوم راجکوٹی) ڈابھیل Mo:99246,93470
- شعبۂ فیض محمود، سورت، Mo: 99988,31838
- مکتبہ محمدیہ (مفتی سلیمان شاہوی) ترکیسر Mo:88666,21229
- کتب خانہ نعیمیہ، دیوبند Mo:97562,02118
- مکتبۃ الاتحاد دیوبند Mo:98972,96985

فہرست

نمبر شمار	عناوین	صفحہ

پیش لفظ

نحمده و نصلي علىٰ رسوله الكريم

مرشد العلماء حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم کی حیات مبارکہ کا طویل زمانہ مدرسہ کے مبارک ماحول میں گزرا، تعلیم وتربیت میں ہونے والی کمزوریوں سے آپ بہ خوبی واقف ہیں، اساتذہ میں علمی ذوق وشوق پیدا کرنے کے گُر اور اس سلسلے کے اسباب وعوامل آپ سے مخفی نہیں۔ تعلیمی شعبہ جات میں مکاتب دینیہ کی تعلیم ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے، مکاتب کے اساتذہ کی کیا ذمہ داریاں ہیں؟ ان کا طرز عمل وکردار کیسا ہو؟ طلبہ کے ساتھ ان کا رویہ کیسا ہو؟ دینی خدام کا مطمح نظر کیا ہو؟ وغیرہ وغیرہ امور میں صحیح رہنمائی اور نت نئے حالات میں پیش آنے والی الجھنیں حل کرنے کی صلاحیت کی مالک وہی ذات گرامی ہے جو رہبر کامل ہو، تعلیم وتربیت کی اونچ نیچ سے باخبر ہو، اس کے تعلق کا ایک سِرا خلق سے اور دوسرا خالق سے مربوط ہو، یعنی وہ تعلق مع اللہ کی دولت سے آراستہ ہو۔

حضرت مفتی صاحب مدظلہ کا ایک بیان تین سال پہلے ''فضلاء سے اہم خطاب'' نامی منصۂ شہود پر آچکا ہے، اس کے متعدد ایڈیشن چھپ چکے ہیں، جس کی مقبولیت وافادیت سے اہل علم واقف ہیں، اسی سلسلے کی ایک کڑی زیر نظر بیان ہے جو ۲۴/جولائی ۲۰۱۱ء اتوار کے روز دارالعلوم کنتھاریہ بھروچ میں مکاتب کے اساتذہ کے درمیان کیا گیا ہے۔ ہم مفتی محمود صاحب میمی سملکی سلمہ (استاذ

جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل) کے شکر گزار ہیں، کہ موصوف نے اپنا قیمتی وقت نکال کر یہ بیان بہ ذریعۂ سی ڈی نقل فرمایا۔ اللہ تعالیٰ دارین میں ان کو اجر جزیل عطا فرمائے۔ آمین

راقم الحروف نے بیان کی نوک پلک درست کرنے اور عناوین کا جامہ پہنانے کے بعد حضرت مرشد العلما کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی، حضرت والا نے از اول تا آخر بہ غور ملاحظہ فرما کر مناسب اصلاح فرمائی۔ اِسے اب ''مکاتب دینیہ کے اساتذہ سے خطاب'' کے نام سے شائع کیا جاتا ہے، چوں کہ یہ بیان خدامِ دین بالخصوص مدارسِ دینیہ اور مکاتب قرآنیہ سے وابستہ حضرات کے لیے بڑا مفید ہے؛ اس لیے ان حضرات سے مؤدبانہ درخواست ہے کہ: کم از کم ایک مرتبہ اس خطاب کو ضرور پڑھیں، ان شاء اللہ بہت فائدہ ہوگا۔ واللّٰہ ھو الموفق

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کاوش کو شرف قبولیت عطا فرما کر ہماری اصلاح کا ذریعہ بنائے، اور اس سلسلے کو مزید آگے جاری رکھنے کی توفیق و سعادت عطا فرمائے۔ اٰمین بحرمت سید المرسلین صلی اللّٰہ علیہ وعلیٰ اٰلہ وأصحابہ وبارك وسلم تسلیما کثیرا

احقر عبد القیوم راجکوٹی
معین مفتی دار الافتاء جامعہ ڈابھیل
۱۵ر شعبان المعظم ۱۴۳۶ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بعد خطبۂ مسنونہ!

امابعد فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم، بسم اللہ الرحمن الرحیم من المؤمنین رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ فمنھم من قضی نحبہ و منھم من ینتظر وما بدلوا تبدیلا[الاحزاب:۲۳]**وقال تعالیٰ: وجعلنا منھم أئمۃیھدون بامرنالماصبروا وکانوا بایتنایوقنون**[الم السجدۃ:۲۴]

حضرات علمائے کرام! آج کی اس مجلس میں میں کوئی نصیحت آپ کو کروں نہ ایسا کوئی ارادہ لے کر آیا ہوں، نہ میں اس کا اہل ہوں، ہمارا ہی طبقہ، ہمارا گروہ، ہماری جماعت ہے، آپس میں بیٹھ کر کے ہم اپنے کام کے سلسلہ میں گویا کام کی نوعیت، کام کرنے کے طریقوں اوراس سلسلہ میں ہماری طرف سے اگر کوئی کوتاہی اور کمزوری ہے تو اس کا محاسبہ، اس کا احساس اور آئندہ اس کی اصلاح کے لیے عزم وارادہ، یہ ساری چیزیں ہمیں حاصل ہوں ایسی نیت سے گویا ہم مل کر ایک مذاکرہ کررہے ہیں۔ یہ مجلسِ مذاکرہ ہے، اسی نیت سے میں چند باتیں آپ حضرات کی خدمت میں عرض کرتا ہوں۔

دنیا کی حقیقت

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ، اللہ تبارک وتعالیٰ نے جس عظیم نعمت سے ہم کو نوازا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کی اس نعمت کا استحضار ہر وقت ہمیں رہنا

چاہیے۔ وہ نعمت کیا ہے؟ وہ دین کی نعمت ہے، جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں عطا فرمائی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ دنیا کی نعمتیں تو ہر ایک کو عطا فرماتے ہیں، چاہے وہ اللہ کا دشمن ہو یا دوست ہو، مؤمن ہو یا کافر ہو، مخلص ہو یا منافق ہو۔ **کلا نمد هؤلاء وهؤلاء من عطاء ربک وما کان عطاء ربک محظورا** [الاسراء:۲۰] باری تعالیٰ فرماتے ہیں: ہر ایک کو، چاہے اہلِ ایمان ہو یا اہلِ کفر، ہم اُن کو نوازتے ہیں؛ اور اللہ کی یہ جو دنیا کی نعمتیں ہیں، جو کائنات میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے پیدا فرمائیں ہیں، اس پر کسی کی بندش نہیں، ہر ایک اُس سے فائدہ اُٹھاتا ہے اور دنیا کی دولت، یہ بھی اللہ تبارک وتعالیٰ دوست، دشمن دونوں کو عطا فرماتے ہیں؛ بلکہ قرآنِ پاک میں سورۂ زخرف میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے تو صاف طور پر فرمادیا کہ: **ولولا أن یکون الناس امة واحدة لجعلنا لمن یکفر بالرحمن لبیوتهم سقفا من فضة ومعارج علیها یظهرون** [الزخرف:۳۳] اگر یہ اندیشہ نہ ہو کہ سارے لوگ ایک جیسے ہو جائیں گے، تو ہم اُن لوگوں کے لیے جو اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ کفر کیے ہوئے ہیں، اُن کے مکانوں کی چھتیں، دیواریں، مسہریاں اور اُن کی سیڑھیاں اور زینے جس سے وہ چڑھتے ہیں، ان کو سونے اور چاندی کا بنا دیتے؛ گویا اتنی دولت جو اُن کو نہیں دی گئی اُس میں بھی ہماری کمزوریوں کی رعایت رکھی گئی؛ اس لیے کہ، یہ دولت اُن کو اگر اتنی وافر مقدار میں دی جاتی تو شاید کمزور قسم کے اہلِ ایمان یہ سمجھتے کہ اُن کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اتنی ساری دنیا کی نعمتوں سے نوازا ہے، شاید یہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اُن کی مقبولیت کی علامت ہے اور وہ جس طور

وطریق کو اختیار کیے ہوئے ہیں اور جس راہ پر چل رہے ہیں، شاید وہ راستہ، وہ طور وطریقہ اللہ کے یہاں پسندیدہ ہے؛ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اُن کو یہ چیزیں دے رکھی ہیں اور یہ سمجھ کر ہوسکتا تھا، اندیشہ تھا کہ، سارے لوگ اِس راہ پر پڑ جاتے؛ تو گویا اہلِ ایمان کی کمزوری اور اُن کے ضعف کا لحاظ کرتے ہوئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کو اتنی ساری دولت نہیں دی۔

باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ''اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا تو یہ سب کچھ ہم دیتے'' **لا یغرنک تقلب الذین کفروا في البلاد متاع قلیل ثم مأوھم جھنم وبئس المھاد**[آل عمران:۱۹۶، ۱۹۷] یہ جو اہلِ کفر ہیں اُن کا اِس طرح اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں آنا جانا، لوٹ پوٹ ہونا، تمھیں دھوکے میں نہ ڈالے، ''متاع قلیل'' بس چند دنوں کا فائدہ اٹھانا ہے۔

متاع کس کو کہتے ہیں؟

دنیا کو قرآن میں بھی اور حدیث کے اندر بھی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متاع سے تعبیر کیا ہے۔ ''متاع'' یعنی ایسی چیز جو فائدہ اٹھانے کے لیے آدمی کے واسطے ضروری ہوتی ہے، لیکن اس کی کوئی قیمت نہیں ہوا کرتی۔ ہمارے حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ اصمعیؒ کا واقعہ بیان کیا کرتے تھے کہ: تین الفاظ ایسے تھے کہ جن کا معنی پورے طور پر میری سمجھ میں نہیں آیا، میں اُس کے معنی کی تلاش اور جستجو کے لیے دیہاتوں میں گیا، وہ تین لفظ یہ تھے: متاع، رقیم اور استوی۔ تو کہا کہ:

میں ایک جگہ پر پہنچا، تو وہاں خیمہ لگا ہوا تھا اور ایک چھوٹا سا بچہ وہاں تھا، اس کے گھر کے لوگ کہیں چلے گئے تھے اور تنہا وہ لڑکا تھا، تو وہاں چولہے کے پاس ایک کپڑا -جس کے ذریعہ سے پتیلی اور دوسری چیزیں پکڑی جاتی ہیں گجراتی میں جس کو مسوتہ (misiiTi) کہتے ہیں- پڑا ہوا تھا، تو ایک کتا آیا اور اپنے منہ میں دبا کر اس کو لے گیا اور جا کر سامنے ایک چھوٹی سی پہاڑی تھی وہاں جا کر اس کے اوپر اپنے دونوں پاؤں اس طرح کر کے جیسے کوئی آدمی سوار ہوتا ہے اُس طرح جم کر کے بیٹھ گیا، بچہ یہ سب منظر دیکھ رہا تھا اصمعیؒ کہتے ہیں: تھوڑی دیر کے بعد اس کے گھر والے آئے، تو اس بچہ نے اپنے گھر والوں کو اطلاع دیتے ہوئے کہا: **جاء الرقيم وأخذ المتاع واستوى على الجبل**؛ کہ رقیم یعنی کتا (جو اصحابِ کہف کے کتے کے لئے استعمال کیا گیا ہے) آیا اور اس نے وہ کپڑا لیا اور پہاڑی پر چڑھ گیا۔ دیکھیے! اس نے اس کپڑے کو متاع سے تعبیر کیا، اس کی قیمت کچھ بھی نہیں، لیکن اس کے بغیر کام چلتا نہیں، یہ ایسی ضروری چیز ہے کہ آدمی اس کے بغیر اپنا ضروری کام نہیں چلا سکتا، تو گویا دنیا کو قرآن میں بھی اور حدیث میں بھی متاع سے تعبیر کیا گیا ہے، جس کا مطلب ہے ضرورت کی چیز، جیسے بیت الخلا ہوا کرتا ہے جسے 'جاجرو' کہتے ہیں، جاجرو بمعنی جائے ضرور، ضرورت کے بقدر، ضرورت پوری ہو جاتی ہے واپس چلا آتا ہے، تو ایسے ہی یہ دنیا ضرورت کی چیز ہے، اس کے بغیر کوئی آدمی زندگی نہیں گذار سکتا، مگر وہ مقصود نہیں ہے۔

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ قرآنِ پاک میں باری تعالیٰ نے اِن کفار کے

متعلق صاف طور پرہمیں فرمادیا کہ **لا یغرنک تقلب الذین کفروا في البلاد** کہ یہ کافرلوگ جو اللہ کی اِس زمین کے اوپر، شہروں میں، آتے جاتے ہیں بڑی بڑی عمارتوں میں رہتے ہیں، عمدہ عمدہ کاروں میں گھومتے پھرتے ہیں اور اللہ کی دنیا کی بے شمار نعمتیں استعمال کرر ہے ہیں، اُن کا یہ آنا جانا، زمین کے اوپر گھومنا پھرنا، تم کودھوکے میں نہ ڈالے۔ باری تعالیٰ فرماتے ہیں: **متاع قلیل** بس تھوڑے زمانہ تک کا فائدہ اٹھانا ہے؛ **ثم مأوھم جھنم** اس کے بعد اُن کا ٹھکانہ جہنم ہے **وبئس المھاد** اور جہنم بڑا بُرا ٹھکانہ ہے۔

ایک مچھیرے کا واقعہ

امام احمد بن حنبلؒ نے نوف بکالی سے ایک عجیب حکایت نقل فرمائی ہے، فرمایا ہے کہ: ایک مرتبہ دو شخص مچھلیوں کے شکار کی غرض سے چلے، ان میں سے ایک کافر تھا دوسرا مسلمان، کافر اپنا جال ڈالتے وقت اپنے معبودوں کا نام لیتا جس کی وجہ سے اس کا جال مچھلیوں سے لبریز ہوکر آتا، اور مسلم اپنا جال ڈالتے وقت اللہ تبارک وتعالیٰ کا نام لیتا؛ لیکن کوئی مچھلی اسے ہاتھ نہ آتی، اسی طرح غروب آفتاب تک دونوں شکار کرتے رہے، آخر کار اس مسلمان کو بھی ایک مچھلی ہاتھ لگی؛ لیکن وائے ناکامی! کہ وہ مچھلی بھی اس کے ہاتھ سے اچھل کود کر پانی میں جا پڑی، یہاں تک کہ یہ بے چارہ غریب مسلمان شکارگاہ سے ایسا خائب وخاسر لوٹا کہ اس کے ساتھ کوئی شکار نہ تھا، اور کافر ایسا کامیاب واپس آیا کہ اس کا کشکول مچھلیوں

سے پُر تھا۔ اس عجیب وغریب حیرت ناک واقعہ سے فرشتۂ مومن کو سخت افسوس ہوا، اور بارگاہ خداوندی میں عرض کیا: اے میرے رب! یہ کیا بات ہے کہ تیرا ایک مومن بندہ جو تیرا نام لیتا ہے ایسی حالت میں لوٹتا ہے کہ اس کے ساتھ کوئی شکار نہیں ہوتا، اور تیرا کافر بندہ ایسا کامیاب واپس آتا ہے کہ اس کا کشکول مچھلیوں سے لبریز ہوتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرشتۂ مومن سے خطاب فرمایا کہ: اے فرشتے! آ! اور اس مردِ مومن کے عالی شان مقام کو دکھلا کر جو اس کے لیے جنت میں پہلے سے تیار ہے، ارشاد فرمایا کہ: کیا اس مقام کو حاصل کرنے کے بعد بھی میرے اس مومن بندے کو وہ رنج وتعب جو دنیا میں مچھلیوں سے ناکامی کے باعث پہنچا تھا، باقی رہ سکتا ہے؟ اور کافر کے اس بدترین مقام کو دکھلا کر جو اس کے لیے جہنم میں تیار کیا گیا ہے، ارشاد فرمایا کہ: کافر کی وہ چیزیں جو اس کو دنیا میں عطا کی گئی ہیں اس کو جہنم کے دائمی عذاب سے نجات دلا سکتی ہیں؟ فرشتے نے جواب دیا: لا واللہ یا رب! یعنی اے رب العزت! ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔

ف: سبحان اللہ! حق تعالیٰ کے نزدیک ایمان کا کتنا بڑا مرتبہ ہے!۔ مسلمانو! اس کی قدر کرو، کسی دنیوی مصیبت کی وجہ سے پست ہمت اور ملول مت ہو، اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے دنیا کے عوض جنت میں اعلیٰ سے اعلیٰ چیزیں تیار کر رکھی ہیں، جن کے مقابلے میں دنیوی نعمتیں کوئی وقعت نہیں رکھتیں۔

(کشکول از حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ ص: ۶۵، ۶۶)

مؤمن اور کافر کا دُکھ سُکھ

حدیث میں آتا ہے کہ ایک مؤمن جس نے پوری زندگی میں کوئی راحت نہیں دیکھی، کوئی سُکھ نہیں پایا، پوری زندگی تکلیفوں میں رہا، جب جنت میں پہنچے گا بس ایک لمحہ کے بعد اس کو پوچھا جائے گا: تو نے کبھی کوئی تکلیف دیکھی؟ وہ کہے گا کہ میں نے تکلیف کا نام ونشان بھی نہیں دیکھا اور ایک کافر جس نے زندگی بھر کوئی دُکھ نہیں اٹھایا، بڑی راحت سے اور عیش وآرام سے اور بڑے سُکھ سے رہا، کوئی ذرّہ برابر ادنیٰ سی تکلیف بھی اُس کو نہیں پہنچی، جب جہنم میں پہنچے گا، بس ایک لمحہ گذرے گا اور اُس سے پوچھا جائے گا، تو وہ کہے گا کہ: میں نے تو زندگی میں راحت کیا چیز ہے، وہ دیکھی ہی نہیں۔ باری تعالیٰ نے فرمایا کہ: یہ آئے گا نا یہاں، تو سب کچھ جو اس پر گذرا ہے اس کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہے گی۔ جیسے ہم سفر میں جاتے ہیں، تو جس وقت ٹرین میں بیٹھے، خوب بھیڑ ہے، کھڑے رہنے کی بھی جگہ نہیں، کتنی مشقت محسوس کرتے ہیں، بہت تکلیف ہوتی ہے، اُس وقت ہماری حالت نا قابلِ بیان ہوتی ہے، بے چینی اپنی انتہا کو پہنچ چکی ہوتی ہے، لیکن جب منزل (گھر) پر پہنچ جاتے ہیں تو گھر والوں کو بھی بھولے سے یہ نہیں کہتے کہ آج تو گاڑی میں جگہ نہیں ملی، وہ ساری تکلیف ایسی بھول جاتے ہیں کہ شام کو ہمیں خود بھی یاد نہیں رہتا، کہ آج بارہ بجے جس وقت میں ٹرین میں تھا اُس وقت میری یہ کیفیت تھی، سب بھول جاتے ہیں؛ تو ایسے ہی مؤمن جب آخرت میں پہنچے گا اور اللہ کی

نعمتیں اُس کو حاصل ہوں گی اُس کی یہی کیفیت ہوگی۔

تو میں یہ عرض کررہا تھا کہ، دنیا کی دولت کی اللہ تعالیٰ کی نگاہوں میں کوئی قدرو قیمت نہیں ہے۔ نبیٔ کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ: اگر اِس دنیا کی قدرو قیمت اللہ کی نگاہوں میں مچھر کے پَر کے برابر ہوتی، تو اللہ تعالیٰ پینے کے لیے کافر کو پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ دیتا۔ دنیا کی کوئی حیثیت نہیں ہے، دنیا دی جارہی ہے، جیسے ہمارے گھر کے سامنے گوبر پڑا ہوا ہو یا پاخانہ پڑا ہوا ہو، ہمارا کوئی دشمن آکر کے اٹھا کر کے لے جائے تو ہم اس کو روکیں گے؟ بھلے وہ لے جائے! ہمارا کیا جاتا ہے! اچھا ہے لے جاوے تو! گویا ہمیں اس کے لے جانے پر نہ کوئی اعتراض ہے نہ ہم اس کے لے جانے کو کوئی اہمیت دیتے ہیں، تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی نگاہوں میں بھی دنیا کی کوئی قدرو قیمت نہیں ہے۔ اِس لیے دنیا کی اِس دولت کی طرف ذرہ برابر نگاہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

دین اور علمِ دین کی دولت

اللہ تعالیٰ نے جو دولت ہمیں عطا فرمائی ہے دین کی، اور دین میں بھی علمِ دین کی، نبیٔ کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ: **من یرد اللہ بہ خیرا یفقھہ في الدین** کہ اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ خصوصی طور پر بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس کو دین کی سمجھ عطا فرماتے ہیں، دین کے علم سے اس کو نوازتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ جو دولت ہم کو دی، دین کی اور دین میں بھی علمِ دین کی، یہ بہت ہی قیمتی اور اونچی

دولت ہے۔ چنانچہ فضائلِ قرآن میں حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ نے شرحِ احیاء سے روایت نقل کی ہے کہ: جس کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن عطا فرمایا یعنی قرآن کا علم، قرآن جیسی دولت اور پھر اُس نے دنیا کے کسی اور صاحبِ نعمت کو۔ جس کو دنیا کی کوئی دوسری نعمت دی گئی ہے دنیا کا کوئی اونچا عہدہ اور منصب ملا ہوا ہے، دنیا کی دولت سونا چاندی ملا ہوا ہے اور جائدادیں ملی ہیں، دنیا کی اور کوئی دولت اس کو ملی ہو اس کو۔ اپنے سے بہتر سمجھا، بہتر سمجھنے کا مطلب یہ ہے کہ، اُس کے دِل میں یہ خیال آیا کہ اُس کو جو دولت ملی ہوئی ہے وہ دولت، مجھے ملی ہوئی دولت اور نعمت کے مقابلہ میں بڑھ کر کے ہے، اچھی ہے، تو اُس نے اللہ کی اُس نعمت کی جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآنِ پاک کی شکل میں عطا فرمائی، ناقدری کی۔ تو ہمیں اللہ نے جو نعمت دی ہے، پہلے تو ہمیں اس کا استحضار ہونا چاہیے کہ یہ بہت اونچی نعمت ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمائی۔

غزوۂ حنین کا واقعہ

بخاری شریف میں واقعہ موجود ہے کہ غزوۂ حنین کے موقع پر بہت سارا مالِ غنیمت آیا تھا، ہزاروں کی مقدار میں اُونٹ اور ہزاروں کی مقدار میں بکریاں تھیں، تو مالِ غنیمت کا جو خُمس تھا اس میں سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش کے اُن نومسلموں کو اور بعض تو وہ جو ابھی تک اسلام بھی نہیں لائے تھے بڑی مقدار میں ۔کسی کو سو اونٹ کسی کو دوسو اونٹ کسی کو تین سو اونٹ۔ دیے اب یہ سب جب کیا گیا

تو حضراتِ انصار کے دِل پر یہ گراں گذرا، خاص کر کے ان پر جو نوجوان طبقہ تھا، اور غزوۂ حنین کے موقع پر جو واقعہ پیش آیا تھا کہ شروع میں جب میدانِ جنگ کے اندر اسلامی لشکر آگے بڑھا تو دشمن نے پہلے ہی سے اپنے خاص بہادروں کو کمین گاہوں میں بٹھا دیا تھا، اسلامی لشکر کے جانے کے لیے راستہ تھوڑا سا کھلا ہوا تھا، معمولی سا مقابلہ کیا اور وہ آگے بڑھ گئے، اب مسلمان یوں سمجھ رہے ہیں کہ ہم کامیاب ہو گئے، جیت گئے، غلبہ حاصل ہو گیا، اس لیے وہ مالِ غنیمت سمیٹنے میں پڑے، اچانک اُن کے بہادر جن کو کمین گاہوں میں بٹھا دیا گیا تھا وہ اپنی تلواریں لے کر ٹوٹ پڑے، جس کی وجہ سے مسلمانوں کے لشکر مین افراتفری پھیلی، انتشار ہوا اور بعد میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ جو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ہیں اُن کو کہا: آواز دو! تو اُنہوں نے کہا کہ: **یا للأنصار! یا أصحاب السمرۃ!** اے انصار! -حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی آواز بڑی بلند تھی، بعض روایتوں میں ہے کہ اگر زور سے بولتے تھے تو اتنی زور کی آواز ہوتی تھی کہ حاملہ کا حمل گر جاوے، اتنے بلند آواز تھے-تو جب یہ آواز سنی تو مسلمان پلٹے اور اللہ تعالیٰ کی مدد بھی آئی، غلبہ نصیب ہوا۔ بہر حال! اُس موقع پر خاص طور پر انصار کا نام لے لے کر اُن کو پکارا گیا تھا، تو اب جب یہ بعد میں مالِ غنیمت تقسیم ہوا اور مکہ کے رہنے والوں کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑی مقدار میں یہ اونٹ اور بکریاں دی تو چند نوجوانوں کی زبانوں پر یہ جملہ تھا کہ، جب کوئی آڑا وقت آتا ہے تو ہمیں یاد کیا جاتا ہے، ہماری تلواریں تو ابھی اُن کے خون کو ٹپکا رہی ہیں اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کو مال دے

رہے ہیں یہ بات نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گوش مبارک تک پہنچی، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ انصار کو ایک خیمہ میں جمع کرو، انصار کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں ہونا چاہیے، چنانچہ سب جمع ہو گئے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع کی گئی کہ سب آ چکے ہیں، تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے کہا کہ کوئی اور تو نہیں؟ کہا کہ نہیں، ہاں! ایک ہے وہ اُن کا بھانجہ ہے، تو کہا کہ: **ابن اخت القوم منھم** بھانجہ بھی انہیں میں سے ہے کہہ کر اُن کو نہیں نکالا گیا اور پھر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کے سامنے جو تقریر فرمائی اُن میں جو بنیادی جملہ تھا وہ یہ کہ: میں نے اُن لوگوں کو جو ابھی ابھی نئے نئے اسلام لائے ہیں، دلجوئی کی غرض سے دنیا کی کچھ دولت دے دی، اس کی وجہ سے تمہارے دلوں پر اثر ہوا، یہ لوگ تو اونٹ اور بکریاں اپنے گھروں کو لے کر کے جائیں اور تم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے گھر لے کر کے جاؤ، اس پر راضی نہیں ہو؟ بس پھر کیا تھا!

انصار کو جو برا لگا تھا اس بابت حضراتِ شراح لکھتے ہیں کہ مال و دولت کی وجہ سے نہیں، اصل تو یہ ہے کہ 'عشق است و ہزار بدگمانی' کہ اُن کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جو عشق، جو محبت، جو لگاؤ تھا اس کی وجہ سے، جب مکہ فتح ہوا تو ویسے بھی اُن کے دلوں میں ایک خطرہ سا تھا، ایک موہوم اندیشہ تھا کہ آپ کے وطن کے لوگوں نے آپ کو تکلیفیں پہنچائی، دعوت کے کاموں میں رکاوٹیں ڈالیں، مجبوراً آپ اپنا وطن چھوڑ کر کے مدینۂ منورہ تشریف لائے، اب جب کہ مکہ فتح ہو چکا ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینۂ منورہ کو چھوڑ کر کے مکہ مکرمہ کی رہائش

اختیار کرلیں، اور پھر اِن کے ساتھ دادودہش کا یہ معاملہ ہوا، تو یہ جو اندیشہ تھا اس کو اورتقویت ملی، تو گویا اصل دِل کے اندر کی جو بات تھی وہ تو یہ تھی کہ اِس دادودہش کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تعلق کی زیادتی پر محمول کرتے ہوئے اُن کو ناگواری ہوئی، جب یہ جملہ کہا گیا، تو روایتوں میں ہے کہ اُن کی آنکھوں سے ایسے آنسو رواں ہوئے کہ ان کے چہرے اور ڈاڑھیاں تَر ہوگئیں اور کہنے لگے: رضینا ہم تو حضور کے اِس فیصلے پر راضی ہیں، ہم کوکوئی پرواہ نہیں کہ اُن کو مال ودولت دی جائے۔

میں یہ عرض کررہا تھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے اور آپ کو اپنے دین اورعلمِ دین کی جونعمت دی وہ بہت ہی عظیم نعمت ہے۔حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ: قیامت کے روز اللہ تبارک وتعالیٰ علما کو بلائیں گے اورفرمائیں گے کہ اگرتمہیں جہنم میں ڈالنا مقصود ہوتا، عذاب دینا مقصود ہوتا، توتمہارے سینوں میں اپنے دین کاعلم نہ رکھتا۔ (معارف القرآن جلد: ۷)

یہ علمِ دین اللہ تبارک وتعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے اس نعمت کا ہر وقت ہمیں استحضار کرنا چاہیے۔ہم اورآپ اپنی زبان سے فضائل ومناقب تو بیان کرتے رہتے ہیں، لیکن ان پر جویقین ہونا چاہیے اس میں ہمارے اندر کچھ کمی ہے، اسی کا نتیجہ ہے کہ ہم سے بہت ساری کوتاہیاں سرزد ہورہی ہیں۔ بہر حال! اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو یہ نعمت عطا فرمائی اس کی حقیقی قدرکرنے کی ضرورت ہے۔

منّت شناسی

پھرمزید برآں اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ پر یہ احسان کیا، کہ اِس نعمت کو

حاصل کرنے کے بعد دین کی خدمت کے اندر آپ کو لگایا؛ بہت سے آپ کے ساتھی وہ بھی ہیں کہ علم حاصل کرنے کے بعد کمانے کے واسطے کوئی سعودیہ چلا گیا، کوئی دکان کرکے بیٹھ گیا ہے، کوئی کاروبار سنبھال رہا ہے، کوئی کھیتی باڑی میں لگ گیا، لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو دین کے علم کی خدمت کے لیے خصوصیت کے ساتھ قبول فرمایا، یہ مزید نعمت ہے، تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی اِس نعمت کا ہم کو استحضار ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ! تیرا شکر واحسان ہے، میں تو اِس قابل نہیں تھا۔

منّت منہ کہ خدمتِ سلطاں ہمی کنی	منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت

کہ ہم کو اللہ تعالیٰ نے یہ توفیق عطا فرمائی یہ اللہ کا احسان ہے، ہمارا کوئی اللہ پر احسان نہیں، اللہ تیرا احسان ہے، تو نے محض اپنے فضل سے اپنے دین کی خدمت کے لیے ہمیں قبول کیا۔ اور اِس کو خدمت سمجھ کر ہی کرنا چاہیے۔

دین کی خدمت کو نوکری سے تعبیر کرنا

ہمارے اِس زمانہ میں جُوں جُوں ہم آگے بڑھتے جارہے ہیں، ہمارے طبقہ میں جو انحطاط آرہا ہے اس انحطاط کے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی ہے کہ ہمارا نظریہ اور ہماری فکر میں تبدیلی آگئی؛ پہلے ہمارے طبقہ کے لوگ یعنی اہلِ علم جو دین کی خدمت کرتے تھے، دین کا کام کرتے تھے، تو اُن کی زبان پر لفظِ خدمت ہوا کرتا تھا، آج سے چند سال پہلے فارغین میں سے کسی کو جب سوال کیا جاتا تھا کہ تم کیا کرتے ہو؟ تو وہ جواب دیتا کہ میں فلاں جگہ پر خدمت کرتا ہوں، آج پوچھتے

ہیں: کیا کرتے ہو؟ کہتا ہے: میں نوکری کرتا ہوں۔ جب کوئی مولوی لفظِ ’نوکری‘ بولتا ہے تو میرے دماغ پر ہتھوڑا لگتا ہے، یہ نظریہ بدل گیا، ہماری فکر بدل گئی، ہم نے اِس خدمت کو پیشہ وارانہ حیثیت دے دی اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جو کمزوریاں ہمارے اندر آرہی ہیں، اس کی بنیادی وجہ اِسی نظریہ کی تبدیلی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آدمی کے دل و دماغ میں جو بات جمی ہوئی ہوتی ہے اسی کے مطابق اُس کی زندگی ڈھلتی ہے اسی کے مطابق وہ چلتا ہے، چنانچہ ہم نے اپنے دلوں میں یہ نظریہ بٹھا دیا کہ ہم نوکری کرتے ہیں، لہذا جیسے سرکاری ملازم ملازمت اور نوکری کرتا ہے ہم نے بھی اپنا ایک ذہن بنالیا کہ یہ ڈیوٹی ہے۔ نہیں! ڈیوٹی تو ہے اس میں کوئی شبہ نہیں۔ عقدِ اجارہ کی وجہ سے کچھ پابندیاں بھی ہیں ہمارے اوپر، اس کا بھی لحاظ کرنا ہے، لیکن اصل بنیاد تو یہ ہے کہ یہ خدمت ہے۔

حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ: ہمارے حنفیہ کے ائمۂ ثلاثہ کے یہاں تعلیمِ قرآن پر اجرت لینا جائز ہی نہیں، یہ مسئلہ تمام متون کے اندر لکھا ہوا ہے، لیکن پھر شروح کے اندر ہے کہ بھئی! یہ اس لئے ہے کہ جو لوگ پہلے زمانے میں تعلیمِ قرآن کی خدمت انجام دیا کرتے تھے، اس وقت اسلامی حکومت تھی، بیت المال کا نظام درست تھا اور اس کے جو ذمہ دار حضرات تھے وہ شریعت کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق بیت المال کو خرچ کرتے تھے، تو وہاں جو لوگ تعلیمِ قرآن کی خدمت میں لگے ہوئے ہوتے تھے، ان کی ضرورتوں کو بیت المال ہی سے پورا کیا جاتا تھا، ایک شعبہ مستقل تھا جس میں ان ہی کے وظائف

مقرر کیے جاتے تھے، اُن کو اتنا دیا جاتا تھا جس سے اُن کی، اُن کے متعلقین کی ضرورتیں پوری ہوجائیں، بعد میں جب اسلامی سلطنت کے اندر زوال آیا، سلاطین اور بادشاہوں نے بیت المال کو اپنا ذاتی مال سمجھ کر استعمال کرنا شروع کیا اور شریعت نے بیت المال کے جو مصارف مقرر کیے تھے اس کے مطابق وہ اُس کو خرچ نہیں کرتے تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ تعلیمِ قرآن اور دین کے دوسرے شعبوں میں جو لگے ہوئے ہوتے تھے ان کے وظائف میں کمی آگئی اور اس کی وجہ سے اب اِن حضرات کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے کوئی ذریعہ موجود نہیں رہا۔ اب اگر یہ حضرات جو دین کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں، ان کے پاس اپنا ذاتی مال ہے تب تو ٹھیک ہے، ذاتی مال نہیں ہے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ، ایک طرف اُن کو تعلیمِ قرآن کی خدمت انجام دینا ہے اور دوسری طرف اپنی اور اپنے ماتحتوں کی ضرورتیں لگی ہوئی ہیں، اب وہ یہ سوچتا ہے کہ اگر میں اس میں لگوں گا تو میں اور میرے گھر والے بھوکے مَر جائیں گے، تو وہ یہ کام چھوڑ کر کے اپنے معاش کی فکر کرنے لگا، تو پھر متأخرینِ حنفیہ (جو مشائخ بعد میں آئے انہوں) نے تعلیمِ قرآن کے اوپر اجرت کی اجازت دے دی، تو حضرت حکیم الامتؒ فرماتے ہیں کہ: اس کے باوجود ہمیں متقدمین اور متأخرین دونوں کے مذہب کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے چلنا ہے، گویا ایک درمیانی راستہ بتادیا، درمیانی راستہ یہ بتایا کہ بھئی! یہ لوگ جو دین کی خدمت انجام دے رہے ہیں، پڑھا رہے ہیں، تعلیم بھی کررہے ہیں، وہ تو یوں سمجھیں کہ ہم خدمت کررہے ہیں، یہ کوئی ملازمت اور نوکری نہیں ہے، یہ ہماری ذمہ داری

ہے، ہمارا فریضہ ہے اور ہمیں یہی کام کرنا ہے، وہ تو فرضِ منصبی سمجھ کر کے، اِس کام کو خدمت سمجھ کر کے انجام دیں اور جن کے بچوں کو یہ پڑھا رہے ہیں، جن بچوں کو دینی تعلیم دے رہے ہیں، وہ لوگ یوں سمجھیں کہ، ہمارے بچوں کو یہ دینی تعلیم دیتے ہیں۔ اب اگر اِن کی ضرورتوں کا خیال نہیں کیا جائے گا تو اس صورت کے اندر یہ ہوگا کہ اپنی ضرورتوں اور اپنے ماتحتوں کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے یہ کام چھوڑ کر دوسری جگہ لگ جائیں گے۔ اس لئے جب ہمارے بچوں کے لئے انہوں نے اپنے آپ کو مشغول کر دیا ہے تو ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم ان کی ضرورتوں کا خیال رکھیں۔ وہ لوگ یہ نہ سمجھیں کہ ہم ان کو تنخواہ دے رہے ہیں بلکہ یہ سمجھیں کہ جیسے وہ ہمارے بچوں کی خدمت کر رہے ہیں ہم ان کی خدمت کر رہے ہیں۔ اگر یہ فکر ہوگی، یہ ذہن ہوگا اور یہ سوچ ہوگی، تو نتیجہ یہ ہوگا کہ، وہ نہ اپنا غلام سمجھیں گے اور نہ یہ اپنے آپ کو نوکر؛ بلکہ اپنی ذمہ داری سمجھ کر، اپنا فرض منصبی سمجھ کر، اپنا کام انجام دینگے۔ چنانچہ اپنے اکابر کا حال دیکھتے ہیں تو وہ یہی ہے، وہ اس کام کو اپنا فرض منصبی سمجھتے تھے۔

خدمتِ دین میں دنیا پیش نظر ہے اس کی نشانی

اب ہم خالص دین کی خدمت انجام دے رہے ہیں، اس کی علامت یہ بتائی گئی ہے کہ آپ جس جگہ کام کر رہے ہیں، وہاں کام کی ضرورت ہے، آپ کو معلوم ہے کہ، میں وہاں سے ہٹوں گا تو وہاں کا سارا نظام درہم برہم ہو جائیگا، بچوں

کی تعلیم وتربیت ختم ہو جائیگی اور اس بستی کا جو ایک دینی مزاج بنتا جا رہا ہے، وہ سب باتیں باقی نہیں رہے گی۔ جو کچھ مل رہا ہے تنگی وترشی کے ساتھ ضرورت پوری ہو رہی ہے۔ اب ان کو کسی دوسری جگہ سے پیش کش کی گئی کہ، آپ کو وہاں پر جو دو ہزار تنخواہ مل رہی ہیں ہم آپ کو ڈھائی ہزار دینگے، اب جب پانچ سو زیادہ دیکھے تو یہ جگہ چھوڑ کر جا رہے ہیں؛ حالاں کہ یہ جانتے ہیں کہ، دینی اعتبار سے ضرورت یہاں زیادہ ہے جہاں میں کام کر رہا ہوں، وہاں جہاں میں جا رہا ہوں وہاں تو اور لوگ بھی ہیں اور وہاں میرے جانے کی وجہ سے زیادہ فرق آنے والا نہیں ہے۔ یہاں میں چھوڑ کر جاؤں گا تو یہاں آ کر اس کام کو سنبھالنے والا فی الحال دوسرا کوئی نہیں ہے، اندیشہ ہے کہ، ایک نظام جو سارا بنا بنایا ہے نمازیوں کا، مدرسے کے اندر بچوں کی تعلیم وتربیت کا، وہ سب ختم ہو جائیگا؛ اس کے باوجود پانچ سو کی زیادتی کو دیکھ کر یہ صاحب چھوڑ کر جائے، تو یہ دلیل ہے کہ اس کے پیشِ نظر دنیا ہے۔ ہمارے بزرگوں نے یہ علامت بتلائی ہے۔

ہونا یہ چاہئے کہ بھلے مجھے یہاں دو ہزار روپئے تنخواہ مل رہی ہے، میں تو اسی دو ہزار میں خدمت کرتا رہوں گا۔ ہمارے بزرگوں کا حال دیکھئے! حضرت شیخ مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ نے آپ بیتی میں لکھا ہے کہ: فراغت کے بعد آپ کا ایک علمی مقام تھا اس کے پیش نظر آپ کو 'مظاہر' میں رکھا گیا تھا وہاں پندرہ روپئے تنخواہ تھی یا بیس روپئے، اسی زمانہ میں حیدر آباد میں ضرورت تھی تو وہاں سے آپ کو پیش کش کی گئی کہ آپ کو ماہانہ چھ سو روپئے، بنگلہ، گاڑی سب کچھ

دیا جائیگا، آپ یہاں آجایئے؛ کہاں پندرہ روپئے اور کہاں چھ سو روپئے اس زمانہ کے حساب سے، لیکن حضرت نے انکار فرما دیا۔ اور بھی ہمارے اکابر کے بے شمار واقعات ہیں، یہ کیوں دنیا کو لات مارتے تھے؟ اسی لیے کہ، ان کی نگاہوں میں یہ تھا کہ یہ جو کام کیا جارہا ہے اسی میں ہماری دنیا آخرت کی بھلائی ہے۔

ہم نے اپنے آپ کو بڑوں کے حوالے نہیں کیا

آج ہمارے زمانے میں ہمارے اس طبقے میں جو ایک اور کمی آئی وہ یہ کہ ہم نے اپنے آپ کو اپنے بڑوں کے حوالے نہیں کیا، ہمارے اکابر جو پرانے حضرات تھے، ان کا ایک مزاج تھا، فارغ ہوئے، فارغ ہونے کے بعد دین کی خدمت پر کہاں لگنا ہے، وہ از خود فیصلہ نہیں کرتے تھے، ان کے بڑوں نے ان کو جہاں بھیجا وہاں جا کر لگ گئے، وہ اپنے بڑوں کے حکم سے خدمت انجام دینے کے لیے جایا کرتے تھے، اور جہاں بھیجا، بس! وہیں کے ہو رہے۔

حضرت شیخ الہندؒ کے شاگرد کی استقامت

ہمارے حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی نوّر اللہ مرقدہٗ اپنے والدِ بزرگوار -جو حضرت شیخ الہندؒ کے شاگرد تھے، شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے ساتھی تھے- کا واقعہ بیان فرمایا کرتے تھے: حضرت شیخ الہند نے ان کو ''نہٹور'' جو ضلع بجنور کے اندر ایک قصبہ ہے، وہاں بھیجا تھا، پوری زندگی وہیں گزار دی، حضرت مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ: جب والدِ بزرگ وار بوڑھے ہو گئے، اس وقت میں مظاہر میں

تھا، میں نے والد صاحب کو خط لکھا کہ اب آپ بوڑھے ہوگئے ہیں، آپ کے لیے وہاں کی رہائش میں دشواری ہے، آپ کمزور ہوگئے ہیں، آپ تشریف لے آئیں، وہاں گنگوہ میں آکر کے قیام کریں، وہاں آرام سے رہیے، تو فرمایا: میرے اوپر کچھ قرضہ ہے جب تک وہ پورا ادا نہ ہوجاوے وہاں تک میں یہاں سے نہیں ہٹ سکتا! حضرت فرماتے ہیں پھر اس کے بعد ایک دو مہینہ کے اندر وقت لے کر میں وہاں گیا، اور عرض کیا کہ ابّا! آپ کا جو قرضہ ہے اس کی فہرست آپ مجھے دے دیجئے، آپ کے سامنے میں اس کو ادا کر دیتا ہوں، حالانکہ قرضہ کچھ بھی نہیں تھا دو، چار آنے مختلف لوگوں کے تھے وہ تو بہانے کے طور پر لکھا تھا، پھر کہا: یہاں کچھ بچے ہیں جو مجھ سے پڑھ لیتے ہیں، تو حضرت فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ: وہاں تشریف لے آئیں، وہاں بھی کچھ بچے آپ کے حوالے کر دیے جائیں گے، جن کو آپ پڑھائیں گے۔ جب کوئی جواب نہیں رہا تو فرمایا کہ: حضرت شیخ الہندؒ نے مجھے یہاں بھیجا ہے، کل کو میدانِ حشر میں وہ مجھے پوچھیں گے کہ میں نے تم کو وہاں بھیجا تھا، تم نے اس جگہ کو کیوں چھوڑا؟ تو میں کیا جواب دوں گا؟ حضرت مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ: میں کچھ بھی نہیں بولا، والد صاحب کا انتقال وہیں ہوا اور وہیں دفن ہوئے۔

اپنے بڑے کے مشورے کے بعد خدمت میں لگیں

ہمارے پرانے بزرگوں کا مزاج یہی تھا کہ، ہمارے بڑے اگر ہمارے لیے تجویز کرتے ہیں کہ بھئی! آپ کو فلاں جگہ جانا ہے، اُن کے سامنے سارے

حالات ہیں، جہاں ہم کام کررہے ہیں، وہ بھی وہ دیکھ رہے ہیں، اور جہاں وہ بھیج رہے ہیں، وہاں کا حال بھی اُن کو معلوم ہے، اور وہ جو کہیں گے ہمارا جی نہیں، ہمارا اپنا فیصلہ نہیں؛ بلکہ وہ فیصلہ کررہے ہیں، اور وہ بھیج رہے ہیں، تو ان شاء اللہ خیر وبرکت ہے۔ پھر وہ جو حکم دیں اسی پر عمل کریں، وہ کہیں کہ آپ کو انگلینڈ جانا ہے تو جاؤ! یہاں تو ہم ابھی فارغ ہوئے نہیں کہ انگلینڈ جانے کی تیاریاں شروع کردیتے ہیں کہ کسی طرح ہم کو موقع مل جائے، کوئی ذرا سا اشارہ دے دے تو گھر بیچنے تک کے لیے بھی تیار ہوجاتے ہیں، وہ کہے کہ آپ کو اپنا گھر بیچنا پڑے گا، تو کہتے ہیں کہ ٹھیک ہے، بیچ دیتے ہیں، بعد میں دیکھی جائے گی، تو کیا جو لوگ اِس طرح انگلینڈ جائیں گے افریقہ جائیں گے اُن کے دِل میں دین کا جذبہ کارفرما ہے؟ دل پر ہاتھ رکھ کر میں اور آپ فیصلہ کریں! اگر یہی مقصد تھا تو دین کی خدمت تو جو یہاں ہورہی ہے وہاں بھی ہے؛ اور اسی لیے بڑے بڑے صاحبِ صلاحیت علما جو یہاں سے انہیں حالتوں میں گئے تھے اُن کی ساری صلاحیتیں بے کار پڑی ہوئی ہیں، کوئی دین کا کام اُن سے نہیں ہورہا ہے، فتنوں میں مبتلا ہیں، جن لوگوں کو بڑوں نے اپنے حکم اور اپنے فیصلے سے بھیجا وہ اپنی مرضی سے نہیں گئے اُن سے اللہ تعالیٰ اپنے دین کا کام لے رہے ہیں، تو حقیقت تو یہ ہے۔ میں یہی ایک بات کہا کرتا ہوں کہ اپنے آپ کو بڑوں کے حوالے کیا جائے، اپنی اصلاح کی فکر کی جائے۔ ہم فارغ ہوکر یوں سمجھتے ہیں کہ مجھے کسی کی اصلاح کی ضرورت نہیں ہے۔ نہیں! ہمارے اندر بہت ساری کمزوریاں ہیں۔

آدمی جب تک زندہ ہے اپنے آپ کو نفس وشیطان کے مکائد سے محفوظ نہیں سمجھ سکتا؛ بلکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ کسی بڑے کا سایہ اوراس کی سرپرستی ہو۔ ہمارے یہاں ذرا سا انتظامیہ سے کوئی معاملہ پیش آجاتا ہے، متولی سے، گاؤں کے کسی آدمی سے ہم فوراً رات ورات استعفا لکھ کر کے روانہ ہوجاتے ہیں۔ نہیں! یہی تو نفس کا موقع آتا ہے۔ آپ جہاں کام کررہے ہیں کام ہورہا ہے بعد میں لوگ آکر کہتے ہیں کہ مولوی صاحب بہت اچھا کام کررہے تھے، ذرا سا ہوا بھاگ آئے، چلے آئے، اب اِن کو کہیں گے تو وہ تو اتنے غصہ میں ہیں کہ سننے کے لیے تیار نہیں، تو ایسے موقع پر ہمارا اپنا فیصلہ معتبر نہیں ہے، ہم نے جس کے ہاتھ میں ہاتھ دیا ہے اس کے سامنے حالات رکھے جائیں اور آپ بتلائیں کہ یہ صورتِ حال ہے وہ کہیں کہ ٹھیک ہے! تو آپ جایئے اگر منع کریں تو اگرچہ آپ کی مرضی نہیں، آپ کے مزاج کے خلاف ہے، آپ کی طبیعت نہیں چاہتی، اس کے باوجود پڑے رہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ آپ سے دین کا کام لے گا۔

حالات بتلانے میں بھی نفس کی شرارت

اپنے بڑوں کے سامنے حالات کو بتلانے میں بھی پوری دیانت کی ضرورت ہے، یہ بھی ایک کمزوری ہے؛ جو لوگ بزرگوں کے ساتھ تعلق رکھے ہوئے ہیں، اُن سے بیعت ہیں، تو یہ مولوی صاحب ہیں نا! مولوی ہونے کی وجہ سے کیا کرتے ہیں؟ اُن کے سامنے حالات بیان کرنے میں بھی خیانت سے کام لیتے ہیں۔ پورا

معاملہ بیان نہیں کرتے؛ جو بات ہوتی ہے اس کو بیان نہیں کرتے کہ ہماری طرف سے کیا ہوا، یا اس طرح اس طرح ہوا مثلاً باہر جانے کی بات ہوئی ہے تو اِس انداز سے پیش کرتے ہیں کہ باہر جائے بغیر اب کوئی چارہ ہی نہیں رہا۔ اب ایک طرف اُن کو دنیا کو یہ بھی بتانا ہے کہ یہ حضرت کے مشورے کے بغیر کچھ کرتے ہی نہیں اور دنیا پر یہ رعب ڈالنا چاہتے ہیں کہ میں تو اُن کے مشورے سے چلتا ہوں، میں تو ہگتا بھی نہیں اُن کے مشورے کے بغیر۔ تو وہاں حالات جب پیش کریں گے تو مولوی آدمی ہے عجیب انداز سے حالات پیش کرے گا، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ میں یوں کہوں گا تو مجھے یوں ہی مشورہ ملنے والا ہے جو مجھے چاہیے۔ جیسے بچے ہوتے ہیں، جب مہتمم صاحب کے پاس چھٹی لینے کے لیے جائیں گے تو عجیب طرح کا بہانہ گڑھ کے جائیں گے، جانتے ہیں کہ میں یہ بہانہ کروں گا تو ہی مجھے چھٹی ملے گی، تو پہلے سے اس کی تیاری کر کے جاتے ہیں، تو اپنے بڑوں سے جو مشورہ چاہتے ہیں اس میں بھی یہی شیطان، ہمارا نفس کام کرتا ہے، تو حقیقت میں یہ بزرگوں کا مشورہ نہیں ہے، حقیقی مشورہ تو یہ تھا کہ پوری دیانت اور امانت کے ساتھ سارے حالات رکھ دیے جاتے اپنی کمزوری، ہماری طرف سے جو کوتاہی ہوئی، وہ بھی بتادی جاتی، اس کے بعد جو مشورہ دیتے اس پر عمل کیا جاتا، تب تو ہے صحیح مشورہ۔

ہمارے مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ کے پاس ایک شخص نے مشورہ چاہا، وہ ایک جگہ دین کی خدمت انجام دے رہے تھے اور انہوں نے استعفاد یا تھا اور ان کو باہر جانا تھا تو جب استعفادیا تو حضرت سے مشورہ چاہا، حضرت نے باہر جانے کا

مشورہ دیا، تو میں نے حضرت سے کہا کہ: حضرت آپ نے اُن کو یہ مشورہ دیا؟ تو حضرت نے یہی جواب دیا کہ وہ یہی چاہتے تھے کہ میں ان کو یہی مشورہ دوں، یعنی انہوں نے اسی انداز سے اپنے حالات میرے سامنے بیان کیے تو میں کیا کروں گا؟ تو امانت داری کے ساتھ مشورہ کرنے کی ضرورت ہے، ہمیں ایسے موقع پر ہمارے بڑے ہی سنبھال سکتے ہیں۔ ہمارے بڑوں کی سوانح کا مطالعہ کیجیے، معمولی معمولی باتوں میں بھی وہ حضرات اپنے بڑوں سے مشورہ کیا کرتے تھے اور ان کے حکم سے سرِ موتجاوز نہیں کرتے تھے۔

دین کی راہ میں حالات آنے ہی آنے ہیں

اس راہ میں (دین کی راہ میں) خدمت انجام دینے کے لیے بڑے حالات آتے ہیں؛ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لے کر اب تک جو بھی آیا اس کو اس گھاٹی سے گذرنا ہے؛ خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: **اشد الناس بلاء الانبیاء ثم الامثل فالامثل** کہ سب سے زیادہ آزمائش حضرات انبیاء کرام کی ہوتی ہے پھر جو جتنا ان سے مشابہ ہوگا، ان کی راہ پر چلنے والا ہوگا اسی مناسبت سے اس کی آزمائش ہوگی:

جن کے رتبے ہیں سِوا		ان کی مشکل سِوا ہوتی ہے

جو جتنا بڑا ہوتا ہے اس کی آزمائش بھی ایسی ہوتی ہے۔ تو ہم دین کی راہ میں لگے ہوئے ہیں، یہ کام کر رہے ہیں تو جو حالات ہمارے اسلاف پر آئے، وہ آنے ہی آنے ہیں۔

حضرت قاری صدیق صاحب باندوی نور اللہ مرقدہ نے برطانیہ کے

دورے میں وہاں ڈیوزبری مرکز پر طلبا کے سامنے بیان کیا تو فرمایا کہ: بھائی دیکھو! جس راستہ سے ہمارے اکابر گذرے ہیں، ہم اسی راستہ پر چل رہے ہیں، لہذا جو حالات ان کو پیش آئے، جن پریشانیوں سے وہ دو چار ہوئے، جن تکلیفوں اور آزمائشوں سے ان کو گذرنا پڑا، ان ہی سے ہمیں بھی گذرنا ہے۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرمایا کرتے تھے: اگر کوئی آدمی کسی جگہ جانے کے لئے ٹرین میں سفر کرتا ہے مثلاً آپ بھروچ سے ٹرین میں بیٹھیں بمبئی جانے کے لئے، تو جب ٹرین میں بیٹھنے کے بعد کوئی اسٹیشن آئے گا تو آپ دیکھے گے کہ انکلیشور آ گیا تو آپ کو اطمینان ہو جائیگا کہ ہم صحیح ٹرین میں بیٹھے ہیں، صحیح راستہ پر چل رہے ہیں اور اگر دیکھا کہ پالیج آ گیا تو سمجھیں گے کہ غلط راستہ پر آ گئے۔ تو ہم جس راہ پر چل رہے ہیں، اس میں جو حالات ہمارے بڑوں کو پیش آئے، جن مصائب کا وہ شکار ہوئے، جتنی تکلیفیں انہوں نے اٹھائیں، ہم پر بھی اگر وہ تکلیفیں آ رہی ہیں تو فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے، خوش ہونے کی ضرورت ہے کہ ہاں ہم صحیح راستہ پر چل رہے ہیں۔ ہمیں ان حالات کی وجہ سے بددل نہیں ہونا ہے، مایوس نہیں ہونا ہے، ہمت نہیں ہارنا ہے، بلکہ خوش ہونا ہے۔ ایسے حالات میں ہمارے اسلاف نے جن طریقوں کو اختیار کیا ہے، ہمیں بھی ان طریقوں کو اختیار کرنا ہے، ایسے موقع پر ہمارے دل میں یہ بات آتی ہے کہ ہم کیا کریں؟ ہمیں وہ ہی کرنا ہے جو ہمارے اسلاف نے کیا ہے۔

تنخواہ میں برکت

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ دین کی خدمت کی اس راہ میں ہماری فکریں

بدل گئیں، سوچ بدل گئی، آج ہم نے تنخواہ کو اپنا مقصود بنالیا، اسی لئے تنخواہ کے اضافے کے لئے باقاعدہ لڑائیاں ہوتی ہیں، جھگڑے ہوتے ہیں، یہ مناسب نہیں؛ اللہ تعالیٰ سے مانگو۔ تنخواہ کی زیادتی مقصود نہیں ہے، اصل تو برکت مقصود ہے؛ برکت کا مطلب کیا ہے؟ ہماری ضرورتیں تھوڑے میں پوری ہو جائے اور بے برکتی کا مطلب کیا ہے؟ بہت کچھ ہونے کے باوجود بھی ضرورت پوری نہ ہو۔ یہ اسکول کے جو ٹیچر ہوتے ہیں ان کی تنخواہ ایک مدرسے کے مدرِّس کے مقابلہ میں کتنی زیادہ ہوتی ہے۔ آپ دیکھتے ہوگے، ہمارے دیہاتوں میں مولویوں سے بھی ان کے تعلقات ہوتے ہیں، مہینہ کے آخری دن ہوتے ہیں تو مولویوں کے پاس قرض مانگتے ہیں کہ مولوی صاحب کچھ قرض دو۔ حالانکہ مولوی کی تنخواہ دو ہزار اور اس کی تنخواہ دس ہزار ہوتی ہے۔ تو برکت کا مطلب یہ ہے کہ کم میں ہماری ضرورتیں پوری ہو جائیں، اگر آپ کی تنخواہ پانچ ہزار ہوگی تو ایسا بھی ممکن ہے کہ ابھی تنخواہ ملی کہ اچانک بچہ بیمار ہو گیا، ہسپتال جانا پڑا، دو ہزار روپئے اس میں خرچ ہو گئے، بی بی بیمار ہوگئی ایک ہزار روپئے اس میں خرچ ہو گئے اور کوئی مصیبت آئی ایک ہزار اس میں دینے پڑے، آخر میں رہ گئے ایک ہزار، وہ تو ویسے بھی ملتے تھے۔ تو بہر حال! ضرورت ہے کہ اس چیز کو سمجھا جائے۔

اے مولویو! کتاب الرِّقاق پڑھو

حضرت شیخ ؒ کے یہاں بہت سارے رمضان گذارنے کی سعادت نصیب ہوئی ہے، حضرت کے یہاں مغرب کی نماز کے بعد مجلس ہوتی تھی ہم لوگ

آگے جگہ ملے اس لئے کھانا نہیں کھاتے تھے، مغرب کی نماز کے بعد آگے بیٹھ جاتے تھے تاکہ حضرت کی زیارت ہو، تقریر غور سے سن سکیں۔ اور حضرت کی عادت لمبی چوڑی تقریر کرنے کی نہیں تھی، حضرت فرمایا کرتے تھے: اے مولویو! کتاب الرِّقاق پڑھا کرو۔-ہم اور آپ حدیث کی کتابیں پڑھ کر آئے ہیں، چنانچہ حدیث کی کتابوں میں محدثین احادیث کو پیش کرنے کے لئے جو مختلف عنوانات قائم کرتے ہیں، اس میں ایک عنوان ہے 'کتاب الرِّقاق' یعنی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ ارشادات جن کو سن کر دل میں نرمی آئے، دنیا کی محبت کم ہو۔

پھر حضرت فرمایا کرتے تھے کہ: کوئی کتا آپ کے گھر کے دروازے پر آکر بیٹھ جائے آپ اس کو مار کر بھگا رہے ہیں تو بھی وہ جاتا نہیں ہے، پڑ گیا ہے، آپ تو تھک گئے اس کو بھگانے کے لئے، لیکن وہ جاتا نہیں، وہ پڑا رہا ہے، اب کوئی اجنبی آپ کے گھر کے قریب آتا ہے تو اس کو بھونک کر کے وہ دور کر دیتا ہے اور آپ کے کہے بغیر آپ کے گھر کی حفاظت کرتا ہے، اب آپ جب کھانے کے لئے بیٹھیں گے تو آپ کی غیرت گوارا نہیں کرے گی کہ وہ کتا بھوکا رہے، ایک ٹکڑا آپ اس کے سامنے بھی ڈال دیں گے۔ تو ہم جو محتاج در محتاج ہیں، ایک کتے کو اس لئے بھوکا رکھنا گوارا نہیں کرتے اگرچہ ہم نے اس کو اپنے گھر کی حفاظت کے لئے نہیں رکھا، وہ از خود ہمارے گھر کی حفاظت کر رہا ہے؛ تو آپ جب اللہ کے دین کی حفاظت کر رہے ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ جو ساری دنیا کے خزانوں کا مالک ہے اور ساری دنیا کو روزی دیتا ہے، کیا بھلا وہ ہمیں محروم رکھیے گا؟ ہرگز نہیں۔ ہاں! آزمائش ضرور ہوتی

ہے۔ اخلاص کے ساتھ اگر ہم اللہ کے دین کا کام انجام دینگے تو ضرور اللہ تعالیٰ کی مدد شاملِ حال ہوگی۔ اصل چیز تو دل کا سکون ہے، یہ ظاہری دولت اور ظاہری عیش وآرام مقصود نہیں، اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق قائم کرنے کی ضرورت ہے۔

تعلق مع اللہ اور عبادت کا اہتمام

ہماری جو دوسری کمی ہے، میں خاص طور پر اس کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ بھائی! ہمیں تعلق مع اللہ اور اللہ کی محبت زیادہ سے زیادہ ہمارے دل میں پیدا ہو اس کے لئے کچھ اسباب اختیار کرنے پڑینگے۔ اہل اللہ کی صحبت، ذکر اللہ کی کثرت، طاعت کا اہتمام اور معاصی سے اجتناب، اس کے لیے خصوصی توجہ کی ضرورت ہے۔ ویسے دنیادار لوگ جن گناہوں میں مبتلا ہیں، اس میں الحمد للہ ہم نہیں ہوتے، لیکن بہر حال! ہمارا طبقہ جن کمزوریوں کا شکار ہے، ان سے اپنے آپ کو بچانے کی ضرورت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے کے لئے ذکر اللہ کا اہتمام کیا جائے۔ بہت سے وہ ہوتے ہیں کہ پنج وقتہ نماز کے علاوہ ان کو پوچھا جائے کہ آپ نے مہینہ میں کتنا قرآن پڑھا؟ اگر ان کے دل پر ہاتھ رکھ کر پوچھیں گے تو پورے مہینہ میں ایک پارے کی تلاوت بھی نہیں کرتے۔ بھائی! ہم تو اہل علم ہیں ہمیں تو خصوصی طور پر قرآن کی تلاوت کا اہتمام کرنا چاہیے، نیز تسبیحات کا ہمیں اہتمام کرنا چاہیے، دعاؤں کا اہتمام کرنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق قائم کرنے کے لیے چوبیس گھنٹوں میں سے ایک

دو گھنٹے فارغ کیجیے۔ ہمارا اہل علم کا طبقہ جو دیہاتوں میں کام کرتا ہے، مکتب میں پڑھاتا ہے اور مکتب کی دو تین گھنٹے کی پڑھائی جب پوری ہو جاتی ہے، تو یہ حضرات گاؤں میں کسی کی دکان پر جا کر بیٹھ جائیں گے، اوٹوں پر جا کر بیٹھ جائیں گے، وہیں اوٹوں کے سامنے سے ہماری ماں، بہنیں گذرتی ہیں، وہاں جیسے دین سے جاہل دوسرے لوگ بیٹھے ہوتے ہیں ہم لوگ بھی بیٹھے ہوتے ہیں؛ با قاعدہ لوگ اِس پر اعتراضات کرتے ہیں کہ یہ اہلِ علم ہو کر اِن چیزوں میں مشغول ہیں۔

ایک مرتبہ ایک صاحب کا مجھ پر خط آیا اور بڑا سخت خط آیا کہ، ہمارے یہاں ایک تو پردے کا رواج نہیں اور لوگ اوٹوں پر بیٹھے رہتے ہیں اور اِن بیٹھنے والوں میں اہلِ علم طبقہ بڑی مقدار میں ہے، اُن کو کہنے والا کوئی نہیں؟ خیر! اِس طرح لکھنے والے تو لکھتے رہتے ہیں؛ اُنہوں نے جو بات کہی وہ اپنی جگہ پر صحیح تھی؛ اِسی لیے ہمارے یہاں سے مفتی محمد حفظ الرحمن صاحب سملکی نے ایک مضمون (راستہ کے حقوق) گجراتی میں لکھا تھا، اس کو میں نے اہتمام سے اسی لیے شائع کروایا تھا کہ راستوں پر بیٹھنا، شرعی اعتبار سے کیا حیثیت رکھتا ہے؟ شریعت میں اُس کے اندر کیا قباحتیں ہیں وہ سب سامنے آجائے، معلوم ہو جائے۔

حضرت امام مالکؒ تو فرماتے ہیں کہ: جو اہلِ علم طبقہ ہے اُس کو ہر کس و ناکس کی دعوت بھی قبول نہیں کرنی چاہیے، وہ تو اِس طبقے کے مقام کا لحاظ کرتے ہوئے یہ حکم دیتے ہیں لیکن ہمارا حال کیا ہے؟ ہمیں اہلِ علم ہونے کی حیثیت سے اپنا وقار، اپنے منصب و مقام کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنا ایک نظام بنانا چاہیے، اپنا

اخلاقی نظام، اپنا عبادت کا نظام، اپنا معاملات کا نظام۔

ہماری حرکتیں اور عادتیں

معاملات بھی ہمارے درست ہونے چاہیے، پڑھنے کے زمانے میں خرچ کرنے کی عادت پڑگئی، قرض لینے کی عادت پڑگئی، اب پڑھانے کے زمانہ میں بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔ کچھ قرضہ جب بڑھ گیا اور ادا کرنے کے قابل نہیں رہا تو اُس جگہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ چلے گئے؛ یہ شکایتیں آتی ہیں، یہ ہماری کمزوری ہے۔ حالانکہ اِس طرح جگہ چھوڑ کر چلے جانے کی وجہ سے ہماری ذمہ داری تو ختم نہیں ہوتی! ہمیں ضرورت ہے کہ ہم اپنے چوبیس گھنٹوں کا ایک نظام بنائیں کہ پڑھانے کا سلسلہ ہے، اِس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کے لیے عبادتوں کا اہتمام ہو، سنتوں کا اہتمام ہو؛ لباس میں، چال ڈھال میں؛ بلکہ ہر چیز میں سنتوں کا اہتمام ہو، ہم اہلِ علم ہو کر سنتوں کا اہتمام نہیں کریں گے تو کون کرے گا؟ ہمیں تو لوگوں کے سامنے نمونہ پیش کرنا ہے، آپ جس دیہات میں رہتے ہیں وہاں کے رہنے والے آپ کے ہر قول و فعل، آپ کی ہر حرکت وسکون کو شریعت سمجھ رہے ہیں، حالانکہ ویسے تو ہم اور آپ جانتے ہیں کہ اللہ کے نبی کے علاوہ کسی کا قول و فعل دین میں حجت نہیں ہے؛ لیکن یہ بیچارے ناواقف ہیں وہ تو دین کو نہیں جانتے، وہ تو آپ کی حرکت وسکون سے ہی دین سیکھتے ہیں۔

کرکٹ کے شوق نے ہمارے دل کا ناس کیا ہے

آپ ٹی۔وی۔ پر میچ دیکھ رہے ہیں،آپ گاؤں میں کرکٹ کے راؤنڈ -جس کا افتتاح آپ خود میدان پر جا کر کرر ہے ہیں- با قاعدہ قرآن کی تلاوت سے مولوی صاحب اِس سلسلہ کا افتتاح کروار ہے ہیں،راؤنڈ جب شروع ہوا تو پہلے دِن جو اجلاس ہوا تو اس میں مہمان خصوصی مولوی صاحب ہیں؛ اُن کی شرکت کی وجہ سے پھر لوگ ہمیں فتوی پوچھتے ہیں کہ وہاں افتتاحی پروگرام میں تلاوت ہوئی، بیان ہوا، اُس کے بعد راؤنڈ شروع ہوا اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

اب اِس راؤنڈ کے دوران ہم دیکھتے ہیں کہ راؤنڈ کی زینت کون ہے؟ طلبہ ہیں، علما ہیں، یہ اگر نہ ہوں، تو کوئی اُن کا دیکھنے والا نہ ہو؛ راؤنڈ کی رونق پھیکی پڑ جائے، یہ سب کیا ہے؟ یہ سب ہماری کمزوریاں ہیں، ضرورت ہے کہ اِس کا احساس کیا جائے اور اپنے اندر سے اِن چیزوں کو ختم کیا جائے، آج اِس کرکٹ کے متعلق ہم جو شرعی حکم بتلاتے ہیں تو اچھے خاصے علما کے دِل بغض سے بھر جاتے ہیں۔

ایک صاحب مجھے کہنے لگے: آپ نے کرکٹ کے متعلق یہ باتیں کہیں تو لوگ آپ کو گالیاں دینے لگے، ہم نے کہا: دیں گالیاں؛ لیکن جو حقیقت ہے وہ بیان کرنی پڑے گی۔ اِسی کرکٹ نے ہمارے دِل کا ناس کیا ہے، اسی نے ہمارے اہلِ علم طبقہ کو خراب کیا ہے، (یعنی کرکٹ کے شوق نے) علما نے اِس کے ناجائز ہونے کا فتوی دے دیا ہے، کوئی اِس کے جائز ہونے کو نہیں کہتا، اِس کے باوجود

اپنی پُرانی رَوِش پر چل رہے ہیں، اُس کو چھوڑنے کے لیے کوئی تیار نہیں، طلبہ ہی نہیں، بہت سارے اساتذہ اِس میں لگے ہوئے ہیں۔ لہٰذا ایسی برائیوں سے اپنے آپ کو خصوصیت کے ساتھ بچانے کی ضرورت ہے۔

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ مکتب کا وقت پورا کرنے کے بعد بہت سارا وقت جو آپ کے پاس بچا ہے، اُس میں سے ڈیڑھ/دو گھنٹے معمولات کی ادائیگی کے لیے یعنی قرآن کریم کی تلاوت، تسبیحات کے لیے، دعا کے لیے آپ فارغ کیجیے۔ آپ دین کے مقتدا ہیں، آپ راہنما ہیں، آپ کے دِل کے اندر اللہ کی محبت ہوگی تو آپ کی بات لوگوں کے دِل پر اثر کرے گی اور آپ کا عمل لوگوں کے لیے ہدایت کا ذریعہ بنے گا۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں: بہت سے وہ لوگ ہیں جو **مفتاح للخیر** اور **مغلاق للشر** ہیں کہ وہ خیر کی کنجی ہوتے ہیں، اُن کے ذریعہ سے خیر کے دروازے کھلتے ہیں اور وہ برائی کا تالا ہوتے ہیں، ان کی وجہ سے برائیاں ختم ہوتی ہیں؛ اور بعضوں کا معاملہ برعکس کہ وہ **مفتاح للشر** اور **مغلاق للخیر** ہوتے ہیں۔ تو ضرورت ہے کہ ہماری ذات **مفتاح للخیر** بنے، ہم اپنے اعمال کو درست کرنے کا زیادہ سے زیادہ اہتمام کریں، اہل اللہ سے تعلق قائم کر کے اپنا ایک نظام بنایا جائے۔

مکتب کے اساتذہ باقی اوقات کو کہاں استعمال کریں

پڑھائی کے علاوہ بقیہ اوقات میں اللہ سے تعلق پیدا کرنے کی ایک شکل یہ

بھی ہے کہ کتابوں کے مطالعہ کا اہتمام کیا جائے چنانچہ مختلف کتابوں کا مطالعہ کیا جائے۔اِس وقت اخباروں میں تھوڑے تھوڑے عرصہ سے ایسی باتیں شائع ہوتی رہتی ہیں جس کی وجہ مسلمانوں کے قلوب میں شکوک وشبہات پیدا ہوجاتے ہیں، چاہے پرنٹ میڈیا ہو یا الیکٹرانک میڈیا؛ وہ اسی فکر میں ہیں،اسی محنت میں لگے ہوئے ہیں کہ مسلمانوں کے دِل ودماغ میں اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور شعائرِ اسلام کی جو عظمت ہے اُس کو ختم کر دیا جائے؛ اس لیے میڈیا روزانہ نت نئے مسائل چھیڑ کر شعائرِ اسلامیہ کی جو عظمت مسلمانوں کے قلوب میں ہے اس کو ختم کرنا چاہتا ہے،آپ ایسے موقع پر میڈیا کی پھیلائی ہوئی غلط چیز کی اچھے انداز میں تردید فرمائیں۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عقائد واعمال کی درستگی اور اصلاح کے لیے موقع کی تلاش وجستجو میں رہتے تھے،غزوۂ حدیبیہ کے موقع پر ایک رات بارش ہوئی،تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز فجر کے بعد صحابہ سے پوچھا: تمھیں معلوم ہے آج رات اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا؟ صحابہ نے عرض کیا کہ: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں،تو آپ نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: میرے بندوں میں سے بعض نے اس حال میں صبح کی کہ وہ مجھ پر ایمان لائے اور نچھتر (niXiAi) کا انکار کیا اور بعض وہ ہیں جو نچھتر (niXiAi) پر ایمان لائے اور میرے ساتھ کفر کیا۔یعنی زمانۂ جاہلیت میں بارش ہوا کرتی تھی تو اس کو وہ نچھتر (niXiAi) کی طرف منسوب کرتے تھے کہ فلاں نچھتر (niXiAi) کی وجہ سے بارش ہوئی۔تو دیکھیے! بارش ہوئی تو اس موقع پر زمانۂ جاہلیت کا ایک جو غلط عقیدہ تھا اس کی اصلاح کا موقع حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

مناسب سمجھا اور آپ نے تقریر فرمائی۔

ایک دوسرے موقع پر جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صاحب زادہ حضرت ابراہیم کا انتقال ہوا اور اتفاق کہ اسی دن سورج گرہن ہو گیا، تو آپ نے سورج گرہن کی نماز پڑھائی اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے تقریر کی، آپ نے فرمایا کہ: یہ سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو بڑی نشانیاں ہیں ان کو کسی کی موت یا کسی کے پیدا ہونے کی وجہ سے گرہن نہیں لگتا۔ زمانۂ جاہلیت میں ایک عقیدہ تھا وہ یہ سمجھتے تھے کہ یہ جب گرہن لگتا ہے تو کوئی بڑا آدمی مر جائے گا یا بڑا آدمی پیدا ہو رہا ہے، اب اتفاق کی بات کہ اسی دن نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صاحب زادہ حضرت ابراہیم کا انتقال ہوا تھا تو آپ نے موقع غنیمت سمجھ کر کے اس موضوع پر تقریر فرمائی۔

تو گویا آپ نے یہ سنت جاری فرمائی کہ اہلِ علم کے لیے جیسا موقع ہو ویسے موقع پر لوگوں کے افکار کو، ان کے نظریات کو اور ان کے عقائد کو درست کرنے کے لیے بھی کوشش کرنی چاہئے، ہمیں اعمال کی درستگی کے لیے بھی کوشش کرنی چاہئے، اگر عمل کے اعتبار سے کوئی کوتاہی دیکھیں مثلاً: شادی بیاہ کا موقع ہے تو شادیوں کے اندر جو رسم و رواج ہوتے ہیں ان رسم و رواج سے لوگوں کو آگاہ کیا جائے۔ جہاں آپ رہتے ہیں وہاں کے عوام تو نہیں جانتے، وہ تو کر رہے ہیں ان کو نہیں پتہ کہ اس کو کرنے کی وجہ سے کیا نقصان ہو رہا ہے؟ ہمیں چاہئے کہ ہم ان رسم و رواج سے معاشرہ کو بچائیں۔ آج ہمارے اندر کمزوری آ گئی کہ یہ سارے رسم و رواج ہم خود کرنے لگے ہیں۔ ایک صاحب نے مجھے سنایا کہ فلاں جگہ کسی کا

نکاح تھا، مُمِیرا (mii!siiri) جا رہا تھا، مُمِیرا (mii!siiri) کے آگے سب سے پہلے مولوی صاحب خانچہ لے کر چل رہے ہیں، اب یہ موسارا جو ہے وہ کیا ہے؟ زمانۂ جاہلیت کی ایک رسم ہے اور مولوی صاحب اس کو تقویت پہنچا رہے ہیں۔ حالانکہ بخاری شریف کی ایک روایت ہے **ابغض الناس الی اللہ ثلاثۃ** جس کے اندر ایک یہ بھی ہے کہ **مبتغ فی الاسلام سنۃ الجاھلیۃ** کہ مسلمان ہوتے ہوئے غیر اسلامی رسم رواج کو جو آدمی کرے وہ اس وعید میں داخل ہے۔ تو ایسے موقع پر ہمیں اپنے عمل کو تو بالکل صاف رکھنا ہی ہے، بلکہ عبادات کے اندر، معاملات کے اندر اور اسی طریقے سے معاشرت کے جتنے بھی کام ہیں شادی بیاہ وغیرہ تمام موقع پر، ہمیں سنتوں کا اہتمام کرنا ہے اور ہم تحقیق کریں اگر کوئی کمزوری ہے تو بتا دیا جائے اور اس کی اصلاح کی جائے، اور دوسرے لوگ جو کمزوریوں میں مبتلا ہیں ان کو محبت سے حکمت سے آگاہ کر کے ان برائیوں کو دور کرنے کے لئے محنت کی جائے، اس میں بھی طریقہ حکمت وموعظت کا اختیار کیا جائے۔

بہرحال! میں یہ عرض کر رہا تھا کہ یہ ہمارا ایک منصب ہے، لہٰذا ہمارے جو باقی اوقات ہیں ان کو صحیح طور پر کام میں لایا جائے۔ اسی طرح آپ جس گاؤں میں رہ رہے ہیں وہاں دعوت وتبلیغ کا سلسلہ چل رہا ہے اس میں بھی حصہ لیجئے۔ اب کتابی تعلیم ہو رہی ہے، مسجد کے اندر مولوی صاحب موجود ہیں، ایک غیر عالم تعلیم کر رہا ہے۔ بھائی! آپ کہئے کہ: اس خدمت کے لئے میں تیار ہوں میں موجود ہوں میں یہ خدمت انجام دوں گا مجھے موقع دیجئے۔ آپ حصہ لیں گے تو آپ یہ

خدمت انجام دے سکیں گے۔اسی طرح جو مقامی کام ہو رہا ہے دعوت وتبلیغ کی لائن سے، اس مین باقاعدہ حصہ لیجئے جیسے گشت وغیرہ دوسرے کاموں میں لگیں۔

آپ وہاں رہ رہے ہیں آپ کے لئے ضروری ہے کہ آپ لوگوں سے ملیں۔

ماشاءاللہ! بچوں کی تعلیم وتربیت کا کام بھی جن حالات میں رہ کر آپ انجام دے رہے ہیں اور آپ نے جن حالات میں رہ کر علم حاصل کیا، آپ نے بڑی قربانیاں دیں اور جہاں رہ کر آپ خدمت انجام دے رہے ہیں وہاں اس وقت بھی قربانی دے رہے ہیں اس سے انکار نہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ سعادت عطا فرمائی کہ اپنے دین کی نشر واشاعت کے لئے قبول فرمایا، لیکن اب ضرورت ہے کہ اس میں اور زیادہ ترقی ہو، اس لئے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: **من استوی یوماہ فھو مغبون** کہ جس کے دو دن یکساں گذریں وہ گھاٹے میں ہے۔کل آنے والا دن آج کے دن سے ہمارے حق میں بہتر ہونا چاہئے، آج ہم جس لیول اور جس سطح پر ہیں آئندہ کل ہم اس سے بڑھے ہوئے ہوں، دین کے اعتبار سے ترقی ہونی چاہئے۔

بوقت ملاقات آپسی تذکرہ

ہمیں اپنا جائزہ لیتے رہنا چاہئے۔جب آپس میں ہماری ملاقاتیں ہوں تو ہماری ان ملاقاتوں کے دوران بھی ہماری گفتگو کا موضوع یہ ہو، کہ بھائی! تم جہاں پڑھاتے ہو وہاں دین کی، تعلیم کی، تربیت کی کیا حالت ہے؟ لوگوں کا دینی مزاج کیسا ہے؟ تم کس طرح کام کرتے ہو؟ تم نے ان کاموں کو انجام دینے میں کونسے کونسے طریقے اپنا رکھے ہیں؟ اور کتنی کامیابی تمہیں ملی؟ ان سے کیا نئے فوائد نظر

آئے؟ میں جہاں کام کررہا ہوں وہاں یہ صورت حال ہے، اس کے مشورہ ہونے چاہئے۔ یہی ہمارا موضوع ہو، یہ نہیں کہ تمہاری تنخواہ کتنی ہے؟ ارے بھائی! اس سے تمہارا کیا فائدہ! اگر وہ اپنی تنخواہ بتادے گا تو تمہیں کیا ملے گا؟ جہاں دو مولوی ملتے ہیں وہاں پوچھتے ہیں تنخواہ کتنی ہے؟ اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ہماری سوچ کیسی ہے ہمارا فکر اور ذہن کیسا ہے؟ تنخواہ تو بھول سے بھی مت پوچھو، اس کا تو چرچا ہونا ہی نہیں چاہئے۔ بخاری شریف میں روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوموسی اشعریؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ کو الگ الگ جگہ کا ذمہ دار بنا کر بھیجا تھا، جب دونوں آپس میں ملتے ہیں تو کیا پوچھ رہے ہیں؟ حضرت معاذؓ نے حضرت ابوموسی اشعریؓ سے پوچھا: آپ قرآن کی تلاوت کس طرح کرتے ہیں؟ انہوں نے پوچھا: آپ کس طرح کرتے ہیں؟ دیکھیے! انہوں نے آپس میں یہ نہیں پوچھا کہ آپ کے بچے کتنے ہیں؟ کیسے ہیں؟ آپ کتنی تنخواہ پاتے ہیں؟ کچھ نہیں! تو ہمارا موضوع یہی علمی باتیں ہونا چاہئے۔

جو لوگ بستی کے اندر دین کی فکر رکھنے والے ہیں۔ یہ دعوت وتبلیغ کا جو سلسلہ ہے اس میں اللہ کے بہت سارے بندے ایسے ہیں جو اخلاص کے ساتھ لوگوں کی فکر رکھتے ہیں۔ اگر چہ کمزوریاں ہیں، وہ اپنی جگہ پر، کمزوریاں تو ہم میں بھی ہیں، کون کمزوریوں سے اپنے آپ کو بری کرسکتا ہے؟ ان کی ان کمزوریوں کی وجہ سے کیا ہم اپنے آپ کو الگ کرلیں؟ یاد رکھو! کل اللہ کے یہاں سوال ہوگا۔ میں تو کہا کرتا ہوں کہ: اگر ہمارے علماء کے اندر وہ دل سوزی اور وہ فکر آجائے جس

کو یہ لوگ اپنے اندر لئے بیٹھے ہیں تو پھر معاملہ کیا سے کیا ہو جائے۔ایک یہی کمزوری ہے اگر یہ دور ہو جائے تو انشاء اللہ کہاں سے کہاں پہنچ سکتے ہیں۔اگر چہ یہ بات بھاری معلوم ہو رہی ہے، میں سمجھتا ہوں کہ، یہ بات گراں گذرے گی ،لیکن حقیقت ہے۔ضرورت ہے اپنے اندر اس فکر کو، اس دل سوزی کو، اس درد کو اور گھٹن کو پیدا کرنے کی۔اگر ہم کرلیں تو میں یوں سمجھتا ہوں کہ یہ سارا معاملہ آسان ہو جائے ،اور اس کو حاصل کرنے کے لئے اخلاص کے ساتھ محنت کرنا چاہئے۔ان کی طرف سے اگر کوئی زیادتی ہے تو اس کی طرف دھیان دینے کی ضرورت نہیں ہے۔میں یہ عرض کرر ہا تھا کہ اپنی بستی کی دینی اعتبار سے ہر چیز کا آپ کو خیال کرنا ہے، بچوں کا، بوڑھوں کا؛ لوگوں کی نماز کو درست کرنے کے لیے اہتمام کرنا ہے۔ آپ ہفتہ میں ایک دین مقرر کریں، جو لوگ نماز کے لیے آتے ہیں ان کو جمع کر کے نماز کا طریقہ سکھائیں؛ فرائض، واجبات، سنن، مستحبات، آداب، مکروہات وغیرہ سب چیزوں سے واقف کریں۔بہت سے وہ ہوتے ہیں جو پچاس سال سے نماز پڑھ رہے ہیں لیکن ان کی نماز درست نہیں۔

بہت سارے کرنے کے کام ہیں، آپ جو کر رہے ہیں وہ بھی قابلِ مبارک باد ہے اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے، اس میں مزید اخلاص عطا فرمائے۔ اور آگے جو ہمارے پاس وقت بچا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں موقع دے رکھا ہے اس کو غنیمت جانیں۔دنیا دار دکان لے کر بیٹھا ہو اور اپنی اس دکان سے روزانہ ایک ہزار روپئے کما سکتا ہے تو وہ نوسو ننانوے پر راضی نہیں ہوگا، ایک روپیہ بھی کم

ہوگا تو وہ اس پر راضی نہیں ہوگا۔اللہ تعالیٰ نے مجھے اور آپ کو دین کی اور علمِ دین کی دولت دے رکھی ہے، علمِ دین کی اس دولت سے ہم اللہ تعالیٰ کے بہت سے بندوں کو فائدہ پہنچا کر کے آخرت کا بہت بڑا ثواب اور بہت بڑی دولت حاصل کر سکتے ہیں، اس میں ہم کیوں کر کمی کرینگے؟ کیسے ہم وقت کو بیکار ضائع کرینگے؟ کوئی ہمارا لمحہ فارغ اور خالی نہیں ہونا چاہئے، اسی فکر میں رہیں، اسی کام میں لگے رہیں؛ اگر ہم اس کی فکر کرینگے تو اللہ تعالیٰ ہماری ضرورتیں پوری کرے گا، ہمیں وہ بھوکا نہیں رکھے گا، ہمیں اس کا یقین رکھنا چاہئے کہ روزی تو مل کر رہے گی انشاءاللہ۔

میں نے آپ کے سامنے جو باتیں بیان کی ہیں، اولین مخاطب میں اپنے آپ کو سمجھتا ہوں۔ یہ آپ، آپ بار بار کہتا رہا اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ میں اپنے آپ کو بری سمجھتا رہا۔ ہم میں سے ہر ایک کو روزانہ اپنا جائزہ لینا چاہئے اور جائزہ لے کر اپنا محاسبہ کرنا چاہئے، اپنی کمزوریوں کو مدِ نظر رکھ کر اس کی اصلاح کی کوشش کرنی چاہئے اور اپنے کام کا بھی جائزہ لے کر اس کو اور بہتر طریقہ سے اور قوت کے ساتھ انجام دینے کے لیے مختلف شکلیں اختیار کرنی چاہیے، دنیا داروں میں بھی یہی سلسلہ جاری ہے۔ کوئی بڑے سے بڑا ڈاکٹر ہوگا، آپ اخباروں میں پڑھتے ہوں گے فلاں آئی (eye) اسپیشیالسٹ، ماہرِ امراضِ چشم بھروچ کے اندر ہے، ساری دنیا کے لوگ اُس کے پاس جا کر کے اپنا علاج کرواتے ہیں، ایک دن اخبار میں ایسا بھی آتا ہے کہ فلاں ڈاکٹر صاحب ۱۵ دن ٹریننگ (training) کے واسطے امریکہ گئے، وہ تو ۱۵ دن ٹریننگ کے لیے جانے کو اپنے لیے عیب سمجھتا

نہیں ہے اور ہمارے تعلیمی سلسلہ میں قوت پیدا ہو، نئے طریقے معلوم ہوں، نئی چیزوں سے آگاہ ہو اس کے لیے مجھے، آپ کو بُلا یا جائے، دعوت دی جائے تو اس کو ہم اپنے لیے عیب سمجھیں! یہ کیا بات ہے؟ '**الکلمة الحکمة ضالة المؤمن حیث وجدھا فھو أحق بھا**' حکمت اور دانائی کی بات مسلمانوں کی گُم شدہ پونجی ہے جہاں ملے اس کو غنیمت سمجھنا چاہیے، جیسے ہماری کوئی چیز گُم ہوگئی ہو مثلاً: گھڑی گُم ہوگئی ہم نے دیکھا راستہ میں میری گھڑی پڑی ہے تو کسی کو پوچھیں گے کہ میں اس کو لے لوں؟ نہیں! جلدی سے اُس کو اُٹھا لیں گے کہ وہ میری ہے! لہذا ہمارا مزاج یہ ہونا چاہئے کہ ہمیں کوئی دعوت دے یا نہ دے، ہمیں خود ہی اُس کو حاصل کرنا ہے۔ بہرحال! اِن تعلیمی طریقوں کے مذاکرے کے لیے اگر ہمیں دعوت دی جائے تو اس میں بھی ہمیں ذرہ برابر عار نہیں ہونی چاہیے۔ اس زمانہ میں تو تعلیم و تربیت کے طریقوں پر بھی باقاعدہ دانشور لوگ جمع ہوتے ہیں، مشورہ کرتے ہیں، تدبیریں سوچتے ہیں؛ تو ہمیں بھی اِس طرح کرنے کی ضرورت ہے۔

بچوں کو مارنا

ہمارے مدارس میں یہ مثل مشہور ہے: sii!Tv&igilmicim*iviwyii

aiviniliwimi مارے بغیر تو ہم یوں سمجھتے ہیں کہ علم آتا ہی نہیں۔ یہ پرانے زمانہ کا جملہ ہے، ہم یاد کیے ہوئے ہیں، یا مفید الطالبین میں ایک جملہ ہے **الضرب للصبیان کالماء فی البستان** یہ سب بھول جاؤ۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں نبیؐ

کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حیات میں کسی کو نہیں مارا، نہ کسی جانور کو نہ کسی انسان کو۔اور قرآن میں باری تعالیٰ فرماتے ہیں: **فبما رحمة من الله لنت لهم**۔ کہ اے نبی! اللہ کی مہربانی کی وجہ سے آپ ان کے لئے نرم ہیں، **ولو کنت فظا غليظ القلب** [آل عمران: ۱۵۹] آپ سخت مزاج اور سخت دل ہوتے تو تمہارے آس پاس سے ہٹ کر تتر بتر ہو جاتے۔ صحابۂ کرام کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کس قدر محبت تھی، ان کے بارے میں یہ فرما رہے ہیں؛ جب یہ بات ہے تو معلوم ہوا کہ بے جا سختی سے بچنا چاہئے۔ حضرت عائشہؓ کی روایت ہے بخاری شریف میں کہ: نرمی جہاں بھی ہوگی وہ زینت پیدا کرے گی، آج تو عورتوں نے بچوں کو ڈرانے کے لئے جہاں بلی کتے کا نام یاد کر رکھا ہے وہاں مولوی صاحب کا بھی نام یاد کر رکھا ہے کہ جب بچے کو ڈرانا ہوتا ہے تو کہتی ہے: mii!lisiibiyivii (مولوی صاحب آئے) گویا ہم کو بھی اسی صف میں ڈال دیا۔ لوگوں کے ان نظریات میں بھی تبدیلیاں لانے کی ضرورت ہے۔

بچوں کو اس طرح پڑھاؤ کہ اگر آپ کے مدرسے کا وقت سات بجے کا ہے تو وہ پونے سات بجے آ جائیں۔ وہ آپ کے ساتھ ایسی محبت کرنے لگیں اور مدرسے کے ساتھ ان کو ایسا لگاؤ اور تعلق ہو جائے کہ وہ مقررہ وقت سے پہلے آ کر بیٹھ جائیں، یہ اصل ہے اور کمال کی بات ہے۔ اس کی طرف بھی دھیان دینے کی ضرورت ہے۔ آج تک جو کہا جا رہا ہے کہ: مارے بغیر پڑھتے نہیں؛ نہیں! ایسا کچھ نہیں۔ آپ محنت کیجیے۔ مارنے اور نہ مارنے سے کچھ زیادہ فرق نہیں پڑتا۔ اگر

محبت وشفقت کے ساتھ محنت ہوگی تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس میں برکت دیں گے۔ ہمارے حضرتؒ سنایا کرتے تھے کہ وہاں گنگوہ میں ایک استاذ تھے، کبھی ان کو مارنے کی ضرورت پیش آتی تھی تو وہ خود پہلے ایک لکڑی اپنے آپ کو مارتے تھے، اس کے بعد بچے کو مارتے تھے؛ اگر دو تین چھڑی مارنے کی ضرورت پیش آتی تو پہلی چھڑی اپنے آپ کو مارتے تھے پھر طالب علم کو، پھر اپنے آپ کو پھر اس کو۔ ایک مرتبہ ایک بچہ بھاگ گیا، تو فرمایا کہ: اس کو تلاش کرنے کے لئے پنجاب تک گئے، چار دن اس میں لگے، اس کو واپس لائے اور کہا کہ: میں اس کو پڑھاؤں گا۔ یہ ہے جذبہ۔ ہاں! ضرورت کی وجہ سے کوئی تعزیر کی نوبت آئے تو اسے دشمن نہ سمجھنا چاہیے، ایسا انداز تعزیر میں اختیار نہیں کرنا چاہیے کہ وہ بچہ استاذ کو دشمن سمجھنے لگے۔ نہیں! اس طرح مارے کہ اس مار کو بھی وہ اپنے لئے فخر سمجھے۔ اور اس کی تلافی بھی بعد میں کر لی جائے، کچھ ایسے جملے کہے جائیں کہ اس کے دل کو تسلی ہو جائے۔ اس طریقۂ کار کو بھی اپنانے کی ضرورت ہے۔ اس وقت ہمارا دین دار طبقہ جو دین سکھانے والا ہے وہ اس میں بھی بدنام ہے۔ دنیا دار کہتے ہیں کہ: دیکھو! یہاں اسکولوں میں اس طرح پڑھایا جاتا ہے، فلاں جگہ اس طرح پڑھایا جاتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ یہ ہمارے لئے کوئی نمونہ نہیں ہے۔ ہمارے لئے تو نمونہ حضرت نبیٔ کریم ﷺ کی ذات بابرکات نمونہ ہے۔ تو بہر حال! اس طرح کی کمزوریاں ہیں، اس کو بھی دور کیا جائے۔

بچوں کے اندر شوق پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ جو کچھ خدمتیں ہو رہی

ہیں وہ بہت کچھ ہیں، لیکن اور بھی بہت کچھ کرنے کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کا احساس مجھے آپ کو نصیب فرمائیں اور مزید کی توفیق نصیب فرمائیں۔ آمین۔

دعا

سبحانک اللھم و بحمدک و تبارک اسمک و تعالیٰ جدک ولا الہ غیرک۔ اللھم صل علی سیدنا محمد و علی آل سیدنا محمد کما تحب و ترضی بعدد ما تحب و ترضی۔ ربنا ظلمنا انفسنا و ان لم تغفر لنا و ترحمنا لنکونن من الخسرین۔ اللھم وفقنا لما تحب و ترضی، من القول و الفعل و النیۃ و الھدی۔ اللھم اجعلنا ھادین مھتدین غیر ضالین ولا مضلین، سلماً لاولیائک و حرباً لاعدائک، نحب بحبک من احبک و نعادی بعداوتک من خالفک من خلقک۔

اے اللہ! ہمارے گناہوں کو معاف فرما۔ ہماری خطاؤں سے درگذر فرما۔ اے اللہ! ہماری نا اہلیت کے باوجود تو نے یہ سعادت نصیب فرمائی، اپنے دین کے ساتھ تعلق اور نسبت عطا فرمایا اور علم دین کی خدمت کا موقع عطا فرمایا، اے اللہ! اس کی قدر دانی کرتے ہوئے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بتلائے ہوئے طریقوں کے مطابق اور اسلاف کرام کے نقش قدم پر چلتے ہوئے انجام دینے کی توفیق نصیب فرمائے۔ اے اللہ! اپنی تمام صلاحیتیں اور تیری دی ہوئی نعمتوں کو تیرے دین کی ترویج و اشاعت کے لیے خدمت کے لئے، حفاظت کے لئے استعمال کرنے کی توفیق عطا فرما۔ آمین